ماہنامہ السنۃ، جہلم   شمارہ نمبر41
ربیع الثانی 1433ھ، بمطابق مارچ 2012ء
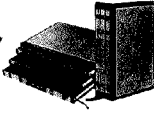
قبروں کی تعظیم میں غلو نے بہت سے اعتقادی اور اخلاقی فتنوں کو جنم دیا ہے۔قبروں اور مزارات پر مشرکانہ عقائد و اعمال اور کافرانہ رسوم و رواج اس قدر رواج پا رہی ہیں کہ بعض لوگوں نے یہود و نصاریٰ کی پیروی میں اولیاء و صالحین کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔طلبِ حاجات کے لیے ان پر مراقبہ اور مجاہدہ کرتے نظر آتے ہیں، ہر مشکل میں ان کی پکار کرتے ہیں اور ان سے فریادیں کرتے ہیں، ان سے ڈرتے ہیں اور انہی سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ، منت منوتی اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔لوگوں کا قیمتی مال ہڑپ کرنے کے لیے وہاں ٹھگ بیٹھے ہوتے ہیں جنہیں مجاور کہتے ہیں۔وہ زائرین کو صاحبِ قبر کے متعلق جھوٹی حکایات اور کرامات سناتے ہیں۔جہالت اور ضعفِ اعتقادی کے باعث لوگ ان کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔اس طرح یہ جاہل لوگ عوام کا ایمان برباد کرتے ہیں۔قبوریوں کی یہ انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ وہ عوام الناس کو قبر پرستی اور اولیاء پرستی کے حوالے سے وہ سارے کے سارے وسائل و ذرائع مہیا کریں جن کی بنیاد پر وہ شرک و بدعت کی طرف چل دیں۔

انہی وسائل میں سے ایک قبروں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔قبروں پر مجاور اور خادم بن کر بیٹھنا منکر اور بدعت ہے۔ یہ بتوں کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت اور یہودیانہ روش ہے۔مشرکین اپنے بتوں کی دیکھ بھال اور نگرانی اسی طرح کرتے تھے، جیسا کہ:

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے : ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ❁ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ﴾ (الشعراء 26: 70-71)

''جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم

عبادت کرتے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں کے مجاور بنے رہتے ہیں۔''

❁ نیز فرمایا: ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ﴾ (الأنبياء 21 : 52) ''جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟''

❁ ایک مقام پر یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلٰى أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ (الأعراف 7 : 138)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں پر آئے جو اپنے کچھ بتوں پر جمے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لیے کوئی معبود بنا دیں جیسے ان کے کچھ معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم بڑے جاہل لوگ ہو۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمالیں:

❁ سنان بن ابی سنان دؤلی بیان کرتے ہیں: إِنَّهُ سَمِعَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - : لَمَّا افْتَتَحَ رَسُولُ اللّٰهِ مَكَّةَ، خَرَجَ بِنَا مَعَهُ قِبَلَ هَوَازِنَ، حَتّٰى مَرَرْنَا عَلٰى سِدْرَةِ الْكُفَّارِ، سِدْرَةٌ يَّعْكُفُونَ حَوْلَهَا، وَيَدْعُونَهَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اجْعَلْ لَّنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ، إِنَّهَا السُّنَنُ، هٰذَا كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى: اجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، قَالَ: إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّكُمْ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ»

''میں نے صحابئ رسول سیدنا ابوواقد رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ ہمیں اپنے ساتھ ہوازن قبیلے کی طرف لے گئے۔ہم کفار کی ایک بیری کے پاس سے گزرے جس کے پاس وہ مجاوری کرتے تھے اور اسے ذاتِ انواط کا نام دیتے تھے۔ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! جس طرح کفار کی ذاتِ انواط ہے، اسی طرح ہمارے لیے بھی ذاتِ انواط مقرر کر دیجیے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ گزشتہ امتوں کے طریقے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی کچھ معبود بنا دیں جیسے کفار کے معبود ہیں اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے۔''

(صحيح ابن حبان : 6702، وسندهٗ صحيحٌ)

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م: 790ھ) اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَصَارَ حَدِيثُ الْفِرَقِ بِهٰذَا التَّفْسِيرِ صَادِقًا عَلٰى أَمْثَالِ الْبِدَعِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ لِلْيَهُودِ وَالنَّصَارٰى، وَأَنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ تَبْتَدِعُ فِي دِينِ اللّٰهِ مِثْلَ تِلْكَ الْبِدَعِ، وَتَزِيدُ عَلَيْهَا بِبِدْعَةٍ لَّمْ تَتَقَدَّمْهَا وَاحِدَةٌ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ.......... .

''اس تفسیر کے ساتھ (تہتر) فرقوں والی حدیث ان بدعتوں پر صادق آتی ہے جن کا ارتکاب یہود و نصاریٰ پہلے سے کرتے رہے ہیں، نیز معلوم ہوا کہ یہ امت بھی اللہ کے دین میں ایسی بدعتوں کا ارتکاب کرے گی بلکہ ایک زائد بدعت ایسی بھی کرے گی جس کا ارتکاب یہود و نصاریٰ نے نہیں کیا..........۔(الاعتصام : 245/2)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْمُحَرَّمَاتِ : الْعُكُوفُ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَهٗ، وَسَدَانَتُهٗ،

وَتَعْلِيقُ السُّتُورِ عَلَيْهِ، كَأَنَّهٗ بَيْتُ اللّٰهِ الْكَعْبَةُ . ''قبر پر اعتکاف، اس کی مجاوری، اس کی خدمت ، اس پر خانہ کعبہ بیت اللہ کی طرح چادریں چڑھانا، سب حرام کام ہیں۔''(اقتضاء الصراط المستقیم، ص : 267)

نیز فرماتے ہیں: فَأَمَّا الْعُكُوفُ وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَ شَجَرَةٍ أَوْ حَجَرٍ، تِمْثَالٍ أَوْ غَيْرِ تِمْثَالٍ، وَالْمُجَاوَرَةُ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِ نَبِيٍّ، أَوْ مَقَامِ نَبِيٍّ أَوْ غَيْرِ نَبِيٍّ، فَلَيْسَ هٰذَا مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ، بَلْ هُوَ مِنْ جِنْسِ دِينِ الْمُشْرِكِينَ .

''کسی شجر وحجر یا مورتی وغیرہ کے پاس اعتکاف کرنااور کسی نبی یا غیر نبی کی قبر یا نبی یا غیر نبی کے مقام پر مجاور بن کر بیٹھنا، ان کاموں کا مسلمانوں کے دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ مشرکین کے دین سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔''(اقتضاء الصراط المستقیم، ص : 365)

شیخ الاسلام ثانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

فَمِنْهَا تَعْظِيمُهَا الْمُوقِعُ فِي الِافْتِتَانِ بِهَا، وَمِنْهَا اتِّخَاذُهَا عِيدًا، وَمِنْهَا السَّفَرُ إِلَيْهَا، وَمِنْهَا مُشَابَهَةُ عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ بِمَا يُفْعَلُ عِنْدَهَا، مِنَ الْعُكُوفِ عَلَيْهَا، وَالْمُجَاوَرَةِ عِنْدَهَا، وَتَعْلِيقِ السُّتُورِ عَلَيْهَا وَسَدَانَتِهَا، وَعُبَّادُهَا يُرَجِّحُونَ الْمُجَاوَرَةَ عِنْدَهَا عَلَى الْمُجَاوَرَةِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَيَرَوْنَ سَدَانَتَهَا أَفْضَلَ مِنْ خِدْمَةِ الْمَسَاجِدِ . ''قبر پرستی کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ایسی تعظیم کی جاتی ہے جو انسان کو شرک و بدعت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسے ہی ان کو میلہ گاہ بنانا، ان کی طرف سفر کرنا ،انہی میں سے یہ بھی ہے کہ قبروں کے پاس وہ کام کیے جاتے ہیں جو بت پرستی سے مشابہ ہیں ، مثلاً ان پر اعتکاف کرنا، ان کے پاس مجاور بن کر بیٹھنا ، ان پر پردے لٹکانا ، ان کی خدمت کے لیے وقف ہونا وغیرہ۔ قبر پرست

لوگ قبروں کی مجاوری کو بیت اللہ کی مجاوری پر بھی ترجیح دیتے ہیں اور ان کا یہ نظریہ ہے کہ قبروں کی خدمت بیت اللہ کی خدمت سے بھی افضل ہے۔'' (إغاثة اللهفان: 197/1)

اس مجاوری والی بدعت کو ثابت کرنے کی کوشش میں جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی (1324-1391ھ) لکھتے ہیں: ''مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے، کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ۔ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن، آج تک روضۂ مصطفٰی علیہ الصلاۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں، کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔'' («جاء الحق»: 293/1)

اگر احباب بُرا نہ مانیں تو ہم کہہ دیں کہ جناب نعیمی صاحب نے ایک سانس میں کئی جھوٹ بول دیے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مجاور بننا تو صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام کو مجاور کہنا ان کی توہین اور گستاخی ہے۔ ان کے متعلق بدعقیدگی کا اظہار اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے؟ رہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا صحابہ کرام کے لیے حجرہ کھول دینا تو اس کا مجاوری سے کیا تعلق ہے؟ آخر وہ ان کا اپنا حجرہ تھا، اسی میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے بھی رہائش پذیر تھیں۔ اپنے حجرے کو وہی کھول سکتی تھیں۔ بمطابقِ وحیٔ الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اسی جگہ بنائی گئی۔ اس سے مجاوری کا اثبات کیسے ہوا؟

باقی نعیمی صاحب کا یہ کہنا کہ روضۂ مصطفٰی علیہ الصلاۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں تو یہ صریح دروغ گوئی ہے۔ ہر صاحبِ عقل اس بات کو بے حقیقت خیال کرتا ہے۔ جس طرح آج مزاروں اور آستانوں پر ملنگ بیٹھے ہوتے ہیں، یہ کفار کی عادت ہے۔ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی تعلق و ناطہ نہیں۔ مشکوٰۃ کی جس روایت کی طرف نعیمی صاحب نے اشارہ کیا ہے، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ ان کی جہالت اور بددیانتی پر مہر ثبت ہو جائے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ : يَا أُمَّهْ ! اِكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ، فَكَشَفَتْ عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُورٍ، لَا مُشْرِفَةٍ وَّلَا لَاطِئَةٍ، مَبْطُوحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ .

''میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اورعرض کیا : امی جان! میرے لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں کھولیں (یعنی اپنا حجرہ کھولیں) توانہوں نے میرے لیے تینوں قبریں کھولیں۔ نہ وہ اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین کے ساتھ برابر بچھی ہوئی تھیں۔ میدان کی سرخ کنکریاں ان پر بچھی ہوئی تھیں۔''

(سنن أبي داوٗد : 3220، وسندهٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ (۳۶۹/۱) نے اس اثر کو ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔اس کے راوی عمرو بن عثمان بن ہانی کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات'' (۴۷۸/۸) میں ذکر کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی تصحیح کر کے اس کی توثیق کردی ہے، لہٰذا یہ ''حسن الحدیث'' ہے۔

قارئین اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور سوچیں کہ کیا اس سے وہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جو جناب نعیمی صاحب نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبورِ مبارکہ تھیں ، اس لیے ان کی اجازت سے ہی ان کی زیارت کی جاسکتی تھی۔

احباب اس بات کی طرف بھی غور فرمائیں کہ جناب نعیمی صاحب نے اس حدیث کی طرف اشارہ کرنے میں ہی اپنی عافیت کیوں جانی؟ انہوں نے اسے ذکر کیوں نہ کر دیا؟ اس لیے کہ یہ حدیث تو ان کے قبوری سسٹم کے لیے بہت نقصان دہ تھی۔ اس میں صاف مذکور

ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبریں نہ بلند تھیں اور نہ پکی تھیں، بلکہ زمین سے تھوڑی سی اونچی اور کچی تھیں۔ان پر کوئی چادر وغیرہ نہیں ڈالی گئی تھی۔ اگر نعیمی صاحب اس حدیث کو ذکر کر کے اس کا ترجمہ کر دیتے تو ان کے قبوری مذہب کی بنیادیں ہل جاتیں اور لوگ ان سے پوچھتے کہ حضرت اگر صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کو نہ اونچا کیا، نہ پختہ کیا اور نہ ان پر چادریں چڑھائیں تو آپ اس بدعت کو جائز کیسے قرار دیتے ہیں؟ یہ ہے دیانت داری اور علمیت جناب نعیمی صاحب کی!!!

جناب احمد یار خان نعیمی مزید لکھتے ہیں : ''حضرت حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ ضَرَبَتْ إِمْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً . تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔'' («جاء الحق» :285/1)

جناب نعیمی صاحب دھوکہ دہی میں بڑے ماہر ہیں، اسی لیے بدعتی ان کے شیدائی ہیں۔ جب قبروں پر مجاور بننے کے ثبوت پر کوئی وضعی ومن گھڑت روایت بھی پیش نہ کر سکے تو ایک چال چل دی۔ چونکہ اس روایت میں ''القبہ'' کا لفظ آیا تھا، ترجمہ میں بھی'' قبہ'' لکھ دیا کہ جاہل عوام کو یہ باور کرایا جاسکے کہ حسن ابن حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان کی قبر پر ''قبہ'' بنایا تھا، لہٰذا بزرگوں کی قبروں پر گنبد وقبہ بنانا اور ان میں مجاور بن کر بیٹھنا جائز ہوا، حالانکہ یہاں قبہ سے خیمہ مراد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کے ماخذ وثبوت کو لیجیے تو یہ روایت صحیح البخاری میں تعلیقاً موجود ہے۔(صحیح البخاری : 1330)

اس کی سند میں محمد بن حمید الرازی راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔

(تقریب التهذیب لابن حجر : 5834)

مفتی صاحب نے اپنی روایتی ''دیانتداری'' سے کام لیتے ہوئے اس روایت کے

اگلے الفاظ ذکر نہیں کیے، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ثُمَّ رَفَعَتْ، فَسَمِعُوا صَائِحًا يَقُولُ : أَلَا هَلْ وَجَدُوا مَا فَقَدُوا ؟ فَأَجَابَهُ آخَرُ : بَلْ يَئِسُوا، فَانْقَلَبُوا . ''پھر اس خیمے کو اٹھا لیا گیا۔ انہوں نے ایک چیخنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا: کیا انہوں نے جو گم پایا تھا، اسے حاصل کرلیا؟ دوسرے نے جواب دیا: بلکہ وہ مایوس ہوکر واپس چلے گئے ہیں۔''

اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر خیمہ ان پر رونے کے لیے لگایا گیا تھا، نیز قبروں پر قبے بنانے والے ناکام و مایوس ہی ہوتے ہیں۔ ان کو کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ بے فائدہ اور فضول کام ہے۔ اسی لیے یہ الفاظ جناب نعیمی صاحب نے ڈکار لیے تھے۔

تنبیہ : یہی روایت کتاب الہواتف لابن ابی الدنیا(131) میں اس سند کے ساتھ مذکور ہے: حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى : ثَنَا جَرِيرٌ عَنِ ابْنِ خَالِدِ ابْنِ مَسْلَمَةَ الْقُرَشِيِّ، قَالَ .... اس سند میں ابنِ خالد بن مسلمہ القرشی کا تعارف اور توثیق مطلوب ہے۔ نیز سند کا اتصال بھی ثابت کیا جائے۔

قارئین کرام نے قرآن و سنت کے دلائل اور ائمہ دین کی تصریحات سے قبروں کی مجاوری کا بدعت اور یہود و نصاریٰ کی روش ہونا ملاحظہ فرمایا۔ ساتھ ہی اس ضمن میں جناب نعیمی صاحب کے دلائل بھی دیکھے۔ ان سے اپیل ہے کہ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ لوگ دین کے لیے مخلص ہیں؟ قرآن و سنت کو توڑ مروڑ کر اپنے شرکی و بدعتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا جن لوگوں کا وطیرہ ہو، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق پر گامزن فرمائے۔ آمین!

❁❁❁❁❁❁❁

میت کو غسل دینے والے پر غسل

ابن الحسن محمدی

شرعی دلائل کی رُو سے میت کو غسل دینے والے شخص پر غسل واجب نہیں بلکہ مندوب و مستحب ہے۔اسی طرح میت کی چارپائی اٹھانے والے شخص پر بھی وضو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔فہم سلف اسی بات کا مؤید ہے۔جیسا کہ حافظ خطابی رحمہ اللہ (388ھ) فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ يُوجِبُ الِاغْتِسَالَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، وَلَا الْوُضُوءَ مِنْ حَمْلِهِ، وَيُشْبِهُ أَنْ يَّكُونَ الْأَمْرُ فِي ذٰلِكَ عَلَى الِاسْتِحْبَابِ.

''میں فقہائے کرام میں سے کسی ایک بھی ایسے فقیہ سے واقف نہیں جو میت کو غسل دینے والے شخص پر غسل کو اور اسے کندھا دینے والے شخص پر وضو کو واجب قرار دیتا ہو۔معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس بارے میں (احادیث میں وارد) حکم استحباب پر محمول ہے۔''

(معالم السنن: 305/3)

یعنی اس مسئلہ میں جتنی بھی احادیث وارد ہیں، ان کے بارے میں سلف، یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا فیصلہ ہے کہ وہ ساری کی ساری استحباب پر محمول ہیں۔

آیئے یہ احادیث اور ان کے بارے میں فہم سلف ملاحظہ فرمائیں:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔''(سنن الترمذي: 933، وقال: حسنٌ، سنن ابن ماجه: 1463، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 301/10، وصحّحه ابن حبان: 1161، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے راوی سہیل بن ابی صالح کے متعلق حافظ منذری رحمہ اللہ (656ھ) لکھتے ہیں:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ . ''اسے جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔''

(الترغيب والترهيب : 110/3)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔(المغني في الضعفاء :455/1)

نیز فرماتے ہیں: وَثَّقَهُ نَاسٌ . ''اسے بہت سے لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔''(الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستّة : 327/2)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ ، وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔''(مصنف ابن أبي شيبة : 269/3، مسند الإمام أحمد : 433/2، 454، مسند الطيالسي : 305/2، الجعديات لأبي القاسم البغوي : 987,986/2، وسندهٗ حسنٌ)

مسند طیالسی وغیرہ میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَمَنْ حَمَلَ جَنَازَةً فَلْيَتَوَضَّأْ .

''جو شخص جنازے کو اٹھائے، وہ وضو کرے۔''

صالح مولی التوأمہ، یعنی صالح بن نبہان مدنی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔اس پر جرح اس وقت پر محمول ہے جب وہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔

امام علی بن مدینی(سؤالات محمد بن عثمان، ص : 87,86)، امام یحییٰ بن معین(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 56/4، وسندهٗ حسنٌ)،حافظ جوزجانی(الشجرة في أحوال الرجال، ص : 144) اور امام ابن عدی رحمہم اللہ (الكامل : 58/4) کا کہنا ہے کہ ابن ابی ذئب نے صالح مولی التوأمہ سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (773-852) لکھتے ہیں: وَقَدِ اتَّفَقُوا عَلٰى أَنَّ

الثِّقَةَ إِذَا تُمُيِّزَ مَا حَدَّثَ بِهِ قَبْلَ اخْتِلَاطِهِ مِمَّا بَعْدَهٗ، قُبِلَ .

''محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ثقہ (مختلط) راوی کی اختلاط سے پہلے بیان کی ہوئی روایات اس وقت قابل قبول ہو جاتی ہیں جب وہ بعد والی روایات سے ممتاز ہو جائیں۔''(نتائج الأفکار : 268/2)

حافظ موصوف مذکورہ حدیث کے بارے میں خلاصۂ فرماتے ہیں :

وَفِي الْجُمْلَةِ هُوَ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ أَسْوَأُ حَالِهِ أَنْ يَّكُونَ حَسَنًا .

''الحاصل یہ حدیث اپنی بہت سی سندوں کے ساتھ کم از کم حسن ہے۔''

(التلخیص الحبیر في تخریج أحادیث الرافعي الکبیر :137/1، ح : 182)

③ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: [مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، وَمَنْ حَمَلَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ] ''جو شخص میت کو غسل دے، وہ خود بھی غسل کرے اور جو میت کو کندھا دے، وہ وضو کرے۔''(مصنف ابن أبي شیبة : 269/3، السنن الکبرٰی للبیھقي :302/1، وسندہٗ حسنٌ)

سنن کبریٰ بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں: [وَمَنْ مَّشٰى مَعَهَا فَلَا يَجْلِسْ حَتّٰى يَقْضِيَ دَفْنُهَا] ''اور جو جنازے کے ساتھ جائے وہ اس کی تدفین مکمل ہونے تک نہ بیٹھے۔''

④ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : كُنَّا نُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَمِنَّا مَنْ يَّغْتَسِلُ، وَمِنَّا مَنْ لَّا يَغْتَسِلُ . ''ہم (صحابہ) میت کو غسل دیا کرتے تھے، بعض غسل کر لیتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔''

(السنن الکبرٰی للبیھقي :306/1، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(التلخیص الحبیر :137/1)

⑤ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں: [مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَأَصَابَهُ مِنْهُ شَيءٌ فَلْيَغْتَسِلْ ، وَإِلَّا فَلْيَتَوضَّأْ] ''اگر کسی شخص کو مردہ نہلاتے ہوئے اس سے کوئی گندگی لگ جائے تو وہ غسل کرلے ، ورنہ وضو ہی کرلے۔''

(السنن الکبریٰ للبیھقي :306/1 ، وسندهٗ حسنٌ)

⑥ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ . ''جو شخص میت کو غسل دے ، وہ خود بھی غسل کر لے۔''(أیضًا :305/1 ، وسندهٗ صحیحٌ)

آپ رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول بھی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں:

[لَيْسَ عَلَيْكُمْ فِي غُسْلِ مَيِّتِكُمْ غُسْلٌ إِذَا غَسَّلْتُمُوهُ، إِنَّ مَيِّتَكُمْ لَمُؤْمِنٌ طَاهِرٌ، وَلَيْسَ بِنَجَسٍ ، فَحَسْبُكُمْ أَنْ تَغْسِلُوا أَيْدِيكُمْ]

''جب تم اپنے مُردوں کو غسل دیتے ہو تو اس سے تمہارے لیے غسل فرض نہیں ہوتا کیونکہ تمہارا مردہ مؤمن اور طاہر ہوتا ہے، نجس نہیں۔ لہٰذا تمہارے لیے اپنے ہاتھ دھو لینا ہی کافی ہے۔''(أیضًا،306/1 ، وسندهٗ حسنٌ)

نیز فرماتے ہیں: [لَا تُنَجِّسُوا مَيِّتَكُمْ، يَعْنِي لَيْسَ عَلَيْهِ غُسْلٌ]

''اپنے مُردوں کو پلید نہ سمجھو، یعنی مُردے کو نہلانے والے پر غسل (فرض) نہیں۔''

(مصنف ابن أبي شیبة : 267/3 ، وسندهٗ صحیحٌ)

نیز جب آپ رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ : هَلْ عَلٰى مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا غُسْلٌ ؟ (کیا مُردے کو غسل دینے والے پر غسل فرض ہے؟) اس پر آپ نے فرمایا:

[أَنَجَسْتُمْ صَاحِبَكُمْ؟ يَكْفِي فِيهِ الْوُضُوءُ] ''کیا تم اپنے مردے کو پلید سمجھتے ہو؟ مردے کو نہلانے والے کے لیے وضو کر لینا ہی کافی ہے۔''

(السنن الکبریٰ للبیھقي :305/1 ، وسندهٗ صحیحٌ)

⑦ نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

كُنَّا نُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَيَتَوَضَّأُ بَعْضُنَا وَيَغْتَسِلُ بَعْضٌ، ثُمَّ يَعُودُ، فَنُكَفِّنُهُ، ثُمَّ نُحَنِّطُهُ، وَنُصَلِّي عَلَيْهِ، وَلَا نُعِيدُ الْوُضُوءَ .

''ہم میت کوغسل دیتے ، پھر ہم میں سے کچھ لوگ وضو کرتے تھے اور کچھ غسل کر لیتے تھے۔پھر وہ لوٹتے تو ہم میت کوکفن دیتے ، اسے خوشبو لگاتے اور اس کا جنازہ پڑھتے ، ہم دوبارہ وضونہیں کرتے تھے۔''(السنن الکبریٰ للبیهقي :307,306/1، وسندهٗ صحيحٌ)

⑧ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب مؤمن مُردوں کوغسل دینے والے شخص پر غسل (فرض) ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ایسانہیں ہے۔

(مصنف ابن أبي شيبة : 268/3، وسندهٗ صحيحٌ)

⑨ عائشہ بنت سعد بیان کرتی ہیں: [أُوذِنَ سَعْدٌ بِجِنَازَةِ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ بِالْبَقِيعِ، فَجَاءَ وَغَسَّلَهُ، وَكَفَّنَهُ، وَحَنَّطَهُ، ثُمَّ أَتٰى دَارَهُ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ، فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ قَالَ : إِنِّي لَمْ أَغْتَسِلْ مِنْ غُسْلِهِ، وَلَوْ كَانَ نَجِسًا مَّا غَسَّلْتُهُ، وَلٰكِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْحَرِّ]

''سعد رضی اللہ عنہ کو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے جنازے کی اطلاع ملی تو وہ اس وقت بقیع میں تھے۔آپ تشریف لائے، سعید رضی اللہ عنہ کوغسل دیا،ان کو کفن دیا، خوشبو لگائی، پھر گھر گئے،ان کا جنازہ ادا کیا، پھر پانی منگوا کرغسل کیا اورفرمایا: میں نے سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کوغسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا۔اگر وہ نجس ہوتے تو میں انہیں غسل ہی نہ دیتا۔ میں نے تو گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔''(أيضًا، وسندهٗ صحيحٌ)

⑩ خزاعی بن زیاد کہتے ہیں: [أَوْصٰى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُغَفَّلٍ أَنْ لَّا يَحْضُرَهُ ابْنُ زِيَادٍ، وَأَنْ يَّلِيَنِي أَصْحَابِي، فَأَرْسَلُوا إِلٰى عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو وَّأَبِي

بَرْزَةَ، وَأُنَاسٍ مِّنْ أَصْحَابِهٖ، فَمَا زَادُوا عَلٰى أَنْ كَفُّوا أَكْمَامَهُمْ، وَجَعَلُوا مَا فَضُلَ عَنْ قُمُصِهِمْ فِي حُجَزِهِمْ، فَلَمَّا فَرَغُوا لَمْ يَزِيدُوا عَلَى الْوُضُوءِ]

''سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ ابن زیاد ان کے پاس نہ آئے، نیز ان کے ساتھ ان کے قریب آئیں۔ سیدنا عائذ بن عمرو، سیدنا برزہ اور سیدنا ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے دیگر ساتھیوں کی طرف پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے آکر صرف یہ کیا کہ اپنی کفیں اوپر چڑھائیں اور ان کے قمیصوں کا جو کپڑا لٹک رہا تھا، اسے اپنے کمربندوں میں ڈال لیا، پھر (غسل دینے سے) فراغت کے بعد صرف وضو کرلیا۔''(أیضا، وسندہٗ صحیحٌ)

⑪ ابوقلابہ تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ كَانَ إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا، اغْتَسَلَ . ''جب وہ میت کو غسل دیتے تو خود بھی غسل کرتے۔''(أیضًا: 269/3، وسندہٗ صحیحٌ)

⑫ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: كَانُوا يَقُولُونَ : إِنْ كَانَ صَاحِبُكُمْ نَجِسًا، فَاغْتَسِلُوا مِنْهُ .

''لوگ (صحابہ کرام) کہا کرتے تھے کہ اگر تمہارا مُردہ نجس ہے تو پھر اسے غسل دینے کی وجہ سے غسل کرلو۔''(أیضًا، وسندہٗ صحیحٌ)

⑬ یونس بن عبید کہتے ہیں: كَانَ الْحَسَنُ لَا يَرٰى عَلَى الَّذِي يَغْسِلُ الْمَيِّتَ غُسْلًا .

''امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ میت کو غسل دینے والے پر غسل کو (فرض) خیال نہیں کرتے تھے۔''(المطالب العالیۃ لابن حجر :481، وسندہٗ صحیحٌ)

⑭ امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی:

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَّغْتَسِلَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا وَيَتَوَضَّأَ مَنْ نَّزَلَ فِي حُفْرَتِهٖ حِينَ يُدْفَنُ، وَلَا وُضُوءَ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْ غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّنْ صَلّٰى عَلَيْهِ، وَلَا مِمَّنْ حَمَلَ جِنَازَتَهٗ، وَلَا مِمَّنْ مَّشٰى مَعَهَا .

''میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا اور دفن کے وقت قبر میں اترنے والے کے لیے وضو کرنا مسنون ہے۔ ان کے علاوہ جنازہ پڑھنے والے، کندھا دینے والے اور جنازے کے ساتھ چلنے والے، کسی پر وضو نہیں۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي :303/1، وسندهٗ صحیحٌ)

⑮ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (209-279ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي الَّذِي يُغَسِّلُ الْمَيِّتَ، فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ : إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا فَعَلَيْهِ الغُسْلُ، وقَالَ بَعْضُهُمْ : عَلَيْهِ الوُضُوءُ، وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ : أَسْتَحِبُّ الغُسْلَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ، وَلَا أَرٰى ذٰلِكَ وَاجِبًا، وَهٰكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ، وَقَالَ أَحْمَدُ : مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا أَرْجُو أَنْ لَّا يَجِبَ عَلَيْهِ الغُسْلُ، وَأَمَّا الوُضُوءُ فَأَقَلُّ مَا قِيلَ فِيهِ، وقَالَ إِسْحَاقُ : لَا بُدَّ مِنَ الوُضُوءِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهٗ قَالَ : لَا يَغْتَسِلُ وَلَا يَتَوَضَّأُ مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ .

''مردے کو نہلانے والے (پر غسل) کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ صحابہ کرام وغیرہ پر مشتمل بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جب کوئی میت کو غسل دے تو اس پر بھی غسل ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس پر وضو ہے۔ امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میں مردے کو نہلانے والے کے لیے غسل کو مستحب سمجھتا ہوں، واجب نہیں۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے

ہیں۔امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ میرے خیال میں میت کو غسل دینے والے پر غسل فرض نہیں، البتہ اسے کم از کم وضو کا کہا گیا ہے۔امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اس کے لیے وضو ضروری ہے، جبکہ امام عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ اسے نہ غسل کرنے کی ضرورت ہے نہ وضو کرنے کی۔''(سنن الترمذي، تحب الحديث : 993)

اس حدیث کے بارے میں اصولی تنبیہات

① بعض محدثین کرام نے اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا ہے، جیسا کہ:

✿ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ (م: 258ھ) فرماتے ہیں:

لَا أَعْلَمُ فِيمَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ، حَدِيثًا ثَابِتًا، وَلَو ثَبَتَ لَزِمْنَا اسْتِعْمَالُهُ . ''میرے علم میں مردے کو غسل دینے والے پر غسل کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو ہمارے لیے اس پر عمل لازم ہو جائے گا۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي :302/1، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ يَثْبُتُ فِيهِ حَدِيثٌ .

''اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔''

(مسائل الإمام أحمد برواية أبي داوٗد، ص : 309)

✿ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام احمد بن حنبل اور امام علی بن مدینی رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ: لَا يَصِحُّ مِنْ هٰذَا الْبَابِ شَيءٌ . ''اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔''(العلل الكبير للترمذي :402/1)

✿ امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَيْسَ فِيهِ خَبَرٌ ثَابِتٌ .

''اس بارے میں کوئی ثابت حدیث موجود نہیں۔''(الأوسط : 351/5)

۞ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلرِّوَايَاتُ الْمَرْفُوعَةُ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ غَيْرُ قَوِيَّةٍ، لِجَهَالَةِ بَعْضِ رُوَاتِهَا وَضُعْفِ بَعْضِهِمْ.

''اس بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایات قوی نہیں، کیونکہ ان کے بعض راوی مجہول ہیں اور بعض ضعیف۔'' (السنن الکبریٰ :303/1)

② امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے لیکن اس کا کوئی ناسخ ذکر نہیں کیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں دو مرفوع احادیث ثابت ہیں، ان کی سند ''صحیح'' ہے۔ بہت سے آثارِ صحابہ بھی موجود ہیں۔ ان تمام کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اسی طرح میت کی چارپائی کو کندھا دینے والے شخص کے لیے وضو واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ جن آثار میں غسل اور وضو کی نفی کی گئی ہے، ان سے مراد فرضیت اور وجوب کی نفی ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے۔

۞ آخر میں حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ کا یہ قول ملاحظہ فرمالیں:

بَلْ يُعْمَلُ بِهِمَا، فَيُسْتَحَبُّ الْغُسْلُ.

''بلکہ ان دونوں احادیث پر عمل ہوگا اور غسل کرنا مستحب ٹھہرے گا۔''

(مختصر استدراك الذهبي :309/1، ح :93)

معلوم ہوا کہ میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کرنا اور میت کو کندھا دینے والے کے لیے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے منہ میں ایک خاص ضرورت اور مصلحت و حکمت کے تحت دانتوں کی فصل اگائی ہے۔ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس کو ایسی غذا دی جاتی ہے جسے چبانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس وقت دانت بھی نہیں اگتے۔ جب ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے جو چبائی جاتی ہے تو دانت بھی اُگ آتے ہیں۔ اگر دانت پیدائشی طور پر اُگے ہوئے ہوتے تو مائیں اپنے بچوں کو دودھ ہی نہ پلاتیں، کیونکہ وہ بے خبری میں ماؤں کی چھاتیوں کو کاٹ ڈالتے۔ یہ ماں کے لیے باعثِ مضرت بات تھی۔ اس لیے ایک خاص وقت کے بعد دانت اُگتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی صنعت دیکھیں کہ کس طرح انسان کے منہ میں موتیوں کو لڑی میں پرو دیا جو انسانی حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ منہ میں دانتوں جیسی نعمت نہ ہو تو انسان کی کلام بھدی ہو جاتی ہے۔ جب تک بچے کے دانت نہ اُگیں وہ صاف باتیں نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی اس انمول نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دانت خوراک کو نہ چبائیں تو معدہ اسے ہضم نہیں کر سکتا۔ اگر معدہ خوراک کو ہضم نہ کرے تو ایک وقت کے بعد وہ بگڑ جاتا ہے۔ جب معدہ بگڑ جائے تو صحت خراب ہو جاتی ہے۔ کتنی غذائیں ایسی بھی ہیں کہ جب تک انہیں اچھی طرح چبایا نہ جائے، انسان ان کی لذت سے محروم رہتا ہے۔ داناؤں کا مقولہ ہے کہ ”آنکھ گئی تو جہان گیا اور دانت گئے تو سواد گیا۔“

ایک خاص وقت کے بعد ایک دفعہ بچے کے دانت گر جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے دانت لے لیتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت کی حکمت ہے۔ سامنے والے دو اوپر اور دو نیچے کے دانتوں کی ساخت دیکھیں۔ وہ تیز دھاری دار ہوتے ہیں جو کاٹنے کا کام دیتے

ہیں، لیکن ڈاڑھیں چوڑی ہوتی ہیں۔ ان کی سطح رَف ہوتی ہے جو پیسنے کا کام دیتی ہیں۔ اوپر نیچے جبڑوں میں ڈاڑھیں گویا چکی کے دو پاٹ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دانت ہتھیار، آرے، چھری اور چکی کا کام دیتے ہیں اور باعثِ زینت بھی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ان میں بے شمار منافع اور مصالح موجود ہیں۔ دانت انسانی وجود میں وہ ہڈی ہے جس پر گوشت نہیں۔ اگر اس پر گوشت ہوتا تو مطلوبہ ضرورت پوری نہ ہو پاتی۔

شریعتِ اسلامیہ نے ان کی صفائی ستھرائی اور نظافت کے لیے مسواک استعمال کرنے کی تلقین وتاکید کی ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دانت وہ واحد عضو ہے جس کی صفائی لکڑی سے کی جاتی ہے۔ دانتوں کی صفائی فطرتی تقاضا ہے۔ میلے کچیلے اور بدنما دانت انسان کو معیوب بنا دیتے ہیں۔ اگر ان کی صفائی کا خیال نہ رکھا جائے تو ان کو کیڑا لگ جاتا ہے۔ پھر داندان سازوں کے پاس جانا مجبوری بن جاتا ہے۔ دانتوں کی صفائی ایمان کا جزو ہے۔ اس میں ربّ تعالیٰ کی رضا ہے، سنتِ رسول کا اتباع ہے، اللہ تعالیٰ کی بے مثال نعمت کی شکر گزاری ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کثرت سے مسواک کیا کرتے تھے اور امت کو بھی تلقین کی ہے، لہٰذا جب مسواک کریں، اس مقصد و ارادے سے کریں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا باعث ہے۔ یوں ہم اپنے دامن میں دنیا وآخرت کی سعادتیں سمیٹ لیں گے اور دانتوں کی حفاظت اور خوشنمائی بھی حاصل ہو جائے گی۔ اب آپ بتائیں کہ مسواک والی سنت کو باقاعدگی سے کب اپنا رہے ہیں؟

مسواک کے متعلق ایمان افروز احادیث ملاحظہ ہوں:

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ فِي السِّوَاكِ» ”میں نے آپ کو مسواک کے بارے میں بہت زیادہ تلقین کی ہے۔“(صحيح البخاري: 888)

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَولَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰی أُمَّتِي، أَوْ عَلَی النَّاسِ، لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ» ''اگر میں اپنی امت کے لوگوں پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔'' (صحيح البخاري : 887، صحيح مسلم : 252)

③ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ گرامی نقل کیا ہے:

«السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ» ''مسواک منہ کے لیے صفائی کا موجب اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔''

(سنن النسائي : 5، صحيح ابن خزيمة : 135، وسندهٗ صحيحٌ)

④ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ : قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ..........»

''دس باتیں فطرت سے ہیں۔ مونچھوں کو پست کرنا، داڑھی کو بڑھانا اور مسواک کرنا..................۔'' (صحيح مسلم :261)

⑤ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی مُحْتَلِمٍ، وَأَنْ يَّسْتَنَّ، وَأَنْ يَمَسَّ طِيبًا إِنْ وَجَدَ» ''جمعہ کے دن ہر بالغ کو غسل کرنا چاہیے، نیز اگر میسر ہو تو مسواک بھی کرنا چاہیے اور خوشبو بھی لگانا چاہیے۔'' (صحيح البخاري : 880، صحيح مسلم : 836 مختصرا)

⑥ ابو عبد الرحمٰن سلمی تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

أَمَرَ عَلِيٌّ بِالسِّوَاكِ، وَقَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَسَوَّكَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَامَ الْمَلَكُ خَلْفَهٗ يَسْتَمِعُ الْقُرْآنَ، فَلَا يَزَالُ

عَجَبُهُ بِالْقُرْآنِ يُدْنِيهِ مِنْهُ، حَتّٰى يَضَعَ فَاهُ عَلٰى فِيهِ، فَمَا يَخْرُجُ مِنْ فِيهِ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ إِلَّا صَارَ فِي جَوْفِ الْمَلَكِ، فَطَهِّرُوا أَفْوَاهَكُمْ»

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسواک کا حکم دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی بیان کیا کہ جب کوئی بندہ مسواک کر کے نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے قرآن سننے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ قرآنِ پاک کی محبت اس فرشتے کو مسلسل نمازی کے قریب لاتی رہتی ہے، حتی کہ وہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ پھر نمازی کے منہ سے قرآنِ کریم کا جو بھی لفظ نکلتا ہے، وہ فرشتے کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا تم اپنے منہ صاف رکھا کرو۔''(کتاب الزهد للإمام عبد الله بن المبارك :435/1، ح : 1225، وسندهٗ حسنٌ)

اس کا راوی فضیل بن سلیمان نمیری جمہور محدثین کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے۔ حافظ عراقی (طرح التثريب : 66/2) اور علامہ البانی (الضعيفة : 2544) رحمہما اللہ کا اسے جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' قرار دینا مرجوح ہے۔

⑦ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے : كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ يَتَهَجَّدُ، يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ .

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو مسواک سے اپنا منہ مبارک صاف فرماتے۔''(صحيح البخاري : 245، صحيح مسلم : 255)

⑧ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے : دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلٰى لِسَانِهٖ . ''میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو مسواک کی نوک آپ کی زبان مبارک پر تھی۔''

(صحيح البخاري : 6923، صحيح مسلم : 254)

صحیح بخاری کی ایک روایت (244) میں ہے : فَوَجَدْتُهٗ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ

بِيَدِهِ، يَقُولُ : أُعْ، أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ .

''میں نے آپ کو دیکھا کہ مسواک آپ کے دست مبارک میں ہے اور منہ میں (اس طرح) مسواک فرما رہے ہیں کہ 'اُع اُع' کی آواز نکلتی ہے، جیسے (کوئی) قے کرتا ہے۔''

⑨ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں : [كُنَّا نُعِدُّ لَهُ سِوَاكَهُ وَطَهُورَهُ، فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَا شَاءَ أَنْ يَّبْعَثَهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَتَسَوَّكُ، وَيَتَوَضَّأُ، وَيُصَلِّي ....] ''ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی اور مسواک تیار کر کے رکھتے، پھر رات کو جب اللہ تعالیٰ چاہتا آپ کو بیدار کرتا۔ آپ مسواک کرتے ، وضو کرتے اور نماز (تہجد) ادا فرماتے............۔'' (صحیح مسلم : 746)

⑩ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ، فَجَذَبَنِي رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا، فَقِيلَ لِي : كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ» ''میں نے خواب میں دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں، پھر مجھے دو آدمیوں نے کھینچا، ان میں سے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا۔ میں نے مسواک چھوٹے کو دی تو مجھے کہا گیا: بڑے کو مسواک دیجیے، میں نے بڑے کو دے دی۔''

(صحيح مسلم :2271 مسندًا، صحيح البخاري : 246 معلّقًا)

⑪ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا حال بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں : «إِنَّهُ بَاتَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، فَخَرَجَ فَنَظَرَ فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ فِي آلِ عِمْرَانَ : ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ

وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾(آل عمران : 190)، حَتّٰى بَلَغَ ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾(آل عمران : 191)، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الْبَيْتِ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى، ثُمَّ اضْطَجَعَ ثُمَّ قَامَ، فَخَرَجَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ، فَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ، ثُمَّ رَجَعَ فَتَسَوَّكَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى» ''انہوں نے ایک رات نبی اکرم ﷺ کے گھر میں بسر کی۔آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں بیدار ہوئے، باہر نکلے، آسمان کی طرف دیکھا اور سورۂ آلِ عمران کی دو آیات (190-191) تلاوت فرمائیں۔ پھر گھر کی طرف لوٹے ،مسواک کی اور وضو کیا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ ﷺ لیٹ کر سو گئے، پھر بیدار ہوئے ، باہر نکلے، آسمان کی طرف دیکھا، مذکورہ آیات کی تلاوت فرمائی، پھر لوٹ کر مسواک کی اور وضو کیا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔''(صحیح مسلم : 256)

⑫ شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کونسا کام کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مسواک۔(صحیح مسلم : 253)

⑬ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی مرضِ وفات کا حال یوں بیان کرتی ہیں:

دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَهٗ سِوَاكٌ يَسْتَنُّ بِهٖ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ لَهٗ : أَعْطِنِي هٰذَا السِّوَاكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ! فَأَعْطَانِيهِ، فَقَصَمْتُهٗ، ثُمَّ مَضَغْتُهٗ، فَأَعْطَيْتُهٗ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَنَّ بِهٖ، وَهُوَ مُسْتَسْنِدٌ إِلٰى صَدْرِي .

''عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو مسواک کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا تو میں نے ان سے کہا: عبد الرحمٰن! یہ مسواک مجھے دو۔ انہوں نے مسواک

مجھے دے دی، میں نے اسے توڑا، پھر اسے چبایا، پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے حوالے کیا۔ آپ نے میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے مسواک کی۔'' (صحيح البخاري: 890)

فائدہ نمبر ① : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ، فَيُعْطِينِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ، فَأَبْدَأُ بِهِ، فَأَسْتَاكُ، ثُمَّ أَغْسِلُهُ، وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ .

''اللہ کے نبی ﷺ مسواک کرتے ، پھر اسے دھونے کے لیے مجھے دیتے، پھر میں مسواک کرنا شروع کرتی، پھر اس کو دھو دیتی اور آپ کو واپس کر دیتی۔''

(سنن أبي داوٗد: 52، وسندهٗ حسنٌ)

اس کا راوی کثیر بن عبید تیمی ''حسن الحدیث'' ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يُعَدُّ فِي الْكُوفِيِّينَ . ''اس کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔''

(التاريخ الكبير: 901)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الثقات'' (330/5) میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس کی ایک حدیث (2248) کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ (252/4) نے بھی اس کی ایک حدیث کی ''تصحیح'' کی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس حدیث کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حَدِيثٌ حَسَنٌ، رَوَاهُ أَبُو دَاوٗدَ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ . ''یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' (المجموع: 283/1، خلاصة الأحكام: 87/1)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت بھی مسواک کر سکتی ہے بلکہ مسواک کی فضیلت و تاکید میں مرد و زن برابر کے شریک ہیں، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنے

خاوند کی مسواک اس کی اجازت کے بغیر بھی استعمال کر سکتی ہے۔

اسی سلسلے میں یزید بن اصم تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: كَانَ سِوَاكُ مَيْمُونَةَ ابْنَةِ الْحَارِثِ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْقَعًا فِي مَاءٍ، فَإِنْ شَغَلَهَا عَنْهُ عَمَلٌ أَوْ صَلَاةٌ، وَإِلَّا فَأَخَذَتْهُ وَاسْتَاكَتْ. ''رسولِ اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی مسواک پانی میں ڈوبی رہتی تھی۔ جب آپ نماز یا کسی اور کام میں مشغول ہوتیں تو اسے چھوڑ دیتیں، ورنہ مسواک کرتی رہتیں۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :170/1، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ نمبر ②: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «تُجْزِئُ مِنَ السِّوَاكِ الْأَصَابِعُ» ''انگلیاں بھی مسواک کا کام دے دیتی ہیں۔''(السنن الكبرٰى للبيهقي :40/1، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اصولِ محدثین کے مطابق اس کی سند ''حسن'' ہے۔ واللہ اعلم!

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسواک نہ مل سکے تو انگلیوں سے دانت صاف کر لیے جائیں۔

فائدہ نمبر ③: حالتِ روزہ میں مسواک کرنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي، أَوْ عَلَى النَّاسِ، لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ» ''اگر میں اپنی امت کے لوگوں پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔''(صحيح البخاري : 887، صحيح مسلم : 252)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ان الفاظ سے باب قائم کیا ہے:

اَلرُّخْصَةُ فِي السِّوَاكِ بِالْعَشِيِّ لِلصَّائِمِ.

''روزے دار کے لیے پچھلے پہر مسواک کرنے کی رخصت۔''

علامہ سندھی حنفی رحمہ اللہ اس پر یہ تبصرہ کرتے ہیں: وَمِنْهُ يُؤْخَذُ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنَ التَّرْجَمَةِ، وَلَا يَخْفٰى أَنَّ هٰذَا مِنَ الْمُصَنِّفِ اسْتِنْبَاطٌ دَقِيقٌ وَتَيَقُّظٌ عَجِيبٌ، فَلِلّٰهِ دَرُّهٗ، مَا أَدَقَّ وَأَحَدَّ فَهْمُهٗ. ''اس حدیث سے وہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے جو مصنف (امام نسائی رحمہ اللہ) نے تبویب میں ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ یہ امام صاحب کا بہت دقیق استنباط اور حیران کن بیدار مغزی کا ثبوت ہے۔ اللہ کی شان! کیا تیز اور روشن فہم تھا آپ کا۔'' (حاشية السندي على سنن النسائي: 13/1)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لَا بَأْسَ أَنْ يَّسْتَاكَ الصَّائِمُ السِّوَاكَ الرَّطْبَ وَالْيَابِسَ. ''روزہ دار کے تر یا خشک مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (مصنف ابن أبي شيبة: 37/3، وسندهٗ حسنٌ)

بعض لوگ روزے داروں کو مسواک سے روکنے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ مسواک روزہ دار کے منہ کی بُو کو ختم کر دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری سے بھی بڑھ کر ہے۔ حالانکہ یہ محض ایک شبہ ہے۔ شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس شبہے کے درج ذیل چھ جوابات دیے ہیں: (ا) إِنَّ الْمَضْمَضَةَ أَبْلَغُ مِنَ السِّوَاكِ فِي قَطْعِ خُلُوفِ الْفَمِ، وَقَدْ أَجْمَعَ عَلٰى مَشْرُوعِيَّتِهَا لِلصَّائِمِ.

(ب) إِنَّ رِضْوَانَ اللّٰهِ أَكْبَرُ مِنِ اسْتِطَابَتِهٖ لِخَلُوفِ فَمِ الصَّائِمِ.

(ج) إِنَّ مَحَبَّتَهٗ لِلسِّوَاكِ أَعْظَمُ مِنْ مَّحَبَّتِهٖ لِبَقَاءِ خَلُوفِ فِمِ الصَّائِمِ.

(۷) إِنَّ السِّوَاكَ لَا يَمْنَعُ طِيبَ الْخَلُوفِ الَّذِي يُزِيلُهُ السِّوَاكُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (۸) إِنَّ الْخَلُوفَ لَا يَزُولُ بِالسِّوَاكِ، لِأَنَّ سَبَبَهُ قَائِمٌ، وَهُوَ خُلُوُّ الْمِعْدَةِ مِنَ الطَّعَامِ . (۹) إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَ أُمَّتَهُ مَا يُسْتَحَبُّ وَمَا يُكْرَهُ لَهُمْ فِي الصِّيَامِ، وَلَمْ يَجْعَلِ السِّوَاكَ مِنَ الْمَكْرُوهِ .

''① کلی کرنا مسواک کے مقابلے میں منہ کی بُو کو زیادہ ختم کرتا ہے لیکن روزہ دار کے لیے کلی کے مشروع ہونے پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کی رضا مندی روزے دار کے منہ کی بُو کے ....مقابلے میں بہت بڑی ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ کو مسواک سے جو محبت ہے ، وہ روزے دار کے منہ کی بُو سے بڑھ کر ہے۔ ④ مسواک روزے دار کے منہ کی اس بُو کو ختم نہیں کر سکتی جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو گی۔ ⑤ یہ بُو مسواک سے ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس کا سبب قائم ہی رہتا ہے اور وہ ہے معدے کا خالی ہونا۔ ⑥ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو روزے کے تمام استحبابات اور مکروہات بتا دیے ہیں لیکن آپ ﷺ نے مسواک کو روزے کے لیے مکروہ قرار نہیں دیا۔''

(دیکھیں زاد المعاد في هدي خير العباد : 324,323/4)

ایک روایت میں ہے سیدنا عمر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

[رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا أُحْصِي يَتَسَوَّكُ، وَهُوَ صَائِمٌ]

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو بہت دفعہ روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۔''

(سنن أبي داوٗد : 2364، سنن الترمذي :721، وقال : حسنٌ)

اس کی سند اگرچہ ''ضعیف'' ہے کیونکہ اس میں عاصم بن عبیداللہ نامی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔حافظ نووی(خلاصة الأحكام : 1 / 87)، علامہ ہیثمی(مجمع الزوائد :150/1) اور حافظ ابنِ حجر(النكت على كتاب ابن الصلاح :73/1)

رحمہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔البتہ عمومی احادیث سے روزے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا بار بار مسواک کرنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ کے حوالے سے ہم ذکر کر چکے ہیں۔

فائدہ نمبر ③ : ابوسلمہ تابعی بیان کرتے ہیں :

فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَّشْهَدُ الصَّلَوَاتِ فِي الْمَسْجِدِ، وَسِوَاكُهٗ عَلٰى أُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أُذُنِ الْكَاتِبِ، لَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ إِلَّا اسْتَنَّ، ثُمَّ رَدَّهٗ إِلٰى مَوْضِعِهٖ . ''سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ مسجد میں نمازوں کے لیے تشریف لاتے تو مسواک ان کے کان پر ایسے رکھی ہوتی تھی جیسے کاتب کے کان پر قلم۔آپ جب بھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے ،مسواک کرتے ، پھر اسے اس کی جگہ پر لوٹا دیتے۔''

(سنن أبي داوٗد : 47، سنن الترمذي : 23، وقال : حسنٌ)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق بن یسار راوی ''مدلس'' ہیں جو کہ بصیغۂ عن روایت کر رہے ہیں۔سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

سنن کبریٰ بیہقی (61/1) میں ایک مرفوع روایت بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے مسواک کو کان کے پر رکھنے کا ذکر ہے،لیکن وہ بھی محمد بن اسحاق اور سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ نمبر ④ : ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

«صَلَاةٌ بِسِوَاكٍ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ صَلَاةً بِغَيْرِ سِوَاكٍ»

''مسواک کے ساتھ پڑھی گئی ایک نماز بغیر مسواک کیے پڑھی گئی ستر نمازوں سے افضل ہوتی ہے۔''(مسند الإمام أحمد : 272/6، صحيح ابن خزيمة : 137، المستدرك على الصحيحين للحاكم :146/1)

اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق اور محمد بن شہاب دونوں

''مدلس'' ہیں اور سماع کی تصریح نہیں کر رہے۔اسی لیے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس کی صحت میں شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنْ صَحَّ الْخَبَرُ، لِأَنِّي خَائِفٌ أَنْ يَّكُونَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ، وَإِنَّمَا دَلَّسَهُ عَنْهُ . ''اگر یہ حدیث صحیح ہوئی......! کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ محمد بن اسحاق نے محمد بن مسلم(بن شہاب زہری) سے یہ حدیث نہیں سنی بلکہ ان سے تدلیس کی ہے۔''

بالکل یہی بات امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔(السنن الکبریٰ:38/1)

لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہنا اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا ان کی موافقت کرنا صحیح نہیں۔

اسی روایت کی ایک دوسری سند سنن کبریٰ بیہقی(38/1)میں موجود ہے لیکن وہ بھی ''ضعیف'' ہے کیونکہ اس میں محمد بن عمر واقدی راوی موجود ہے جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔خود امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

اس کی ایک تیسری سند سنن کبریٰ بیہقی(38/1)میں مذکور ہے لیکن وہ بھی ''ضعیف'' ہے۔اس میں فرج بن فضالہ راوی ''ضعیف'' ہے۔(تقریب التھذیب لابن حجر:5383)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَهٰذَا إِسْنَادٌ غَيْرُ قَوِيٍّ . ''یہ سند قوی نہیں۔''

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يَصِحُّ حَدِيثُ الصَّلَاةُ بِأَثَرِ السِّوَاكِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّلَاةِ بِغَيْرِ سِوَاكٍ، وَهُوَ بَاطِلٌ .

''یہ حدیث صحیح نہیں کہ مسواک کے ساتھ پڑھی گئی نماز بغیر مسواک کے پڑھی گئی نماز سے افضل ہے۔ یہ روایت باطل ہے۔''(التمھید لابن عبد البر:200/7)

الغرض یہ روایت تمام سندوں کے ساتھ ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

فرماتے ہیں: وَأَسَانِيدُهٗ مَعْلُولَةٌ . ''اس کی سندیں علت والی ہیں۔''

(التلخيص الحبير :68/1، ح : 69)

البتہ حسان بن عطیہ تابعی کا اس طرح کا ایک قول ملتا ہے، ان کا کہنا ہے:

يُقَالُ : رَكْعَتَانِ يَسْتَاكُ فِيهِمَا الْعَبْدُ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِينَ رَكْعَةً لَّا يَسْتَاكُ فِيهَا . ''ایسی دو رکعتیں جن سے پہلے بندہ مسواک کر لے، ان ستر رکعتوں سے بہتر ہیں جن میں مسواک نہ کی ہو۔'' (مصنف ابن أبي شيبة :169/1، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ نمبر ⑤ : سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: «نِعْمَ السِّوَاكُ الزَّيْتُونُ، مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ، يُطِيبُ الْفَمَ، وَيَذْهَبُ بِالْحَفَرِ، هُوَ سِوَاكِي وَسِوَاكُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي»

''سب سے عمدہ مسواک مبارک درخت زیتون کی ہے۔ یہ منہ کو خوشبودار کرتی ہے اور دانتوں کی کھوڑ کو ختم کرتی ہے۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کی مسواک یہی تھی۔''

(المعجم الأوسط للطبراني :210/1، ح : 678)

لیکن یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی محمد بن محصن عکاشی ''کذاب'' ہے۔ اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ، يَضَعُ . ''متروک راوی تھا، حدیثیں خود گھڑ لیتا تھا۔'' (سوالات البرقاني للدارقطني : 459)

② معلل بن نفیل حرانی کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ أَجِدْ مَنْ ذَكَرَهٗ . ''مجھے کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملا۔''

(مجمع الزوائد :100/2)

معلوم ہوا کہ زیتون کی مسواک کی فضیلت بالکل ثابت نہیں۔ اس جھوٹی روایت سے دوکاندار خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے لکھ کر لٹکاتے ہیں، حالانکہ ایسا کچھ ثابت نہیں۔

اسی ماہنامہ کے شمارہ نمبر 35 تا 39 میں قارئین کرام حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے کے شرعی دلائل، ان دلائل پر باطل اعتراضات کے جوابات اور اسے نجس کہنے والوں کے مزعومہ دلائل کی حقیقت ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اس سلسلے میں کچھ باتیں ابھی قابل ذکر تھیں۔ وہ پیش خدمت ہیں۔

ایک صحابیٔ رسول کے بارے میں احناف کی بلادلیل زبان درازی:

ہٹ دھرمی بھی کتنی خطرناک بیماری ہے کہ یہ انسان کو ایسے ایسے کاموں پر اُکسا دیتی ہے جس کے کرنے پر اس کا ضمیر اسے مسلسل ملامت بھی کرتا رہتا ہے اور بتا تا بھی رہتا ہے کہ یہ مناسب نہیں لیکن ہٹ دھرمی آخر غالب آ ہی جاتی ہے اور انسان وہ کام کر ہی بیٹھتا ہے۔ پھر صدیوں تک اس انسان کا یہ ''کارنامہ'' اس کے چاہنے والوں کے ماتھے پر بدنامی کا ایک داغ بن کر ''چمکتا'' رہتا ہے۔کچھ ایسا ہی ہوا ہے احناف کی ایک معتبر شخصیت صاحبِ نورالانوار کے ساتھ۔انہوں نے احادیثِ نبویہ اورسلف صالحین کی مخالفت میں حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک قرار دینے کے لیے ایک صحابیٔ رسول (سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) اور ایک محدثِ کبیر (امام حاکم رحمہ اللہ) پر جھوٹ باندھا۔پہلے صحابیٔ رسول کے خلاف زہر اگلا، پھر اس کی جھوٹی نسبت ایک امام کی طرف کر دی۔افسوس صد افسوس اس بات پر کہ آج تک احناف تعصب در تعصب کی وجہ سے اپنے ایک بڑے کے اس جھوٹ کو جانتے بوجھتے بھی اس سے برأت اور صحابیٔ رسول سے محبت کا اظہار نہیں کر سکے۔ یہ سارا معاملہ کیسے ہوا؟ آیئے تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیجیے اور فیصلہ خود فرمایئے کہ حق کن لوگوں کے پاس ہے:

جناب انوار خورشید صاحب دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

[رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ صَحَابِيٍّ صَالِحٍ اُبْتُلِيَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ جَاءَ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَسَأَلَهَا عَنْ أَعْمَالِهِ، فَقَالَتْ : يَرْعَى الْغَنَمَ، وَلَا يَتَنَزَّهُ مِنْ بَوْلِهِ، فَحِينَئِذٍ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : «اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ» (نور الأنوار : 68، وعزاه في حاشيته إلى الحاكم)

''مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایک نیک وصالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو کچھ احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں۔آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا۔انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے۔اس موقع پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔''](حدیث اور اہلحدیث، ص: 169,168)

نیز دیکھیں اعلاء السنن از ظفر احمد تھانوی (440/1) اور درس ترمذی از تقی (290/1)

تبصرہ:

یہ بے سند اور من گھڑت واقعہ ان لوگوں کی بوکھلاہٹ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔دیوبندی بھائیوں کو آج تک اس کا حوالہ اور مخرج بھی معلوم نہیں ہو سکا لیکن ہٹ دھرمی کی انتہا ہے کہ اسے پیش کرنے سے باز نہیں آتے۔اب جناب انوار صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ وہ اپنی بیان کردہ احادیث پر جرح کرنے کے لئے جو خود ساختہ شرائط عائد کرتے ہیں،اس بے سند و بے مصدر روایت پر وہ کیسے صادق آئیں گی؟

محدثین کرام سند کو دین کا دارومدار قرار دیتے تھے۔اہل حق آج بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی ہر بات کی سند پیش بھی کرتے ہیں اور دوسروں کی ہر بات کی سند طلب بھی کرتے ہیں۔ان لوگوں کے منہجِ محدثین سے ہٹے ہونے کے لئے یہی دلیل کافی

ہے کہ یہ سند کا ذرا بھی اعتبار نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کا کھوٹا مال اپنی کتابوں میں بھرتے ہیں، چاہے اس سے کسی صحابیٔ رسول کی گستاخی بھی ہوتی رہے۔اب ہم انہی لوگوں کی زبانی اس واقعے کی حقیقت آپ کے سامنے رکھتے ہیں:

❀ جناب یوسف بنوری دیوبندی صاحب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اپنی بے کسی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَمَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ أَحْمَدُ الْجَوْنْفُورِيُّ فِي نُورِ الْأَنْوَارِ مِنْ قِصَّةِ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ صَحَابِيٍّ صَالِحٍ اُبْتُلِيَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ جَاءَ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَسَأَلَهَا عَنْ أَعْمَالِهِ، فَقَالَتْ : كَانَ يَرْعَى الْغَنَمَ، وَلَا يَتَنَزَّهُ مِنْ بَوْلِهِ، فَحِينَئِذٍ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : «اِسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ، فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ»، فَلَمْ أَرَهُ، وَلَوْ ثَبَتَ هٰذَا لَكَانَ فَصْلًا فِي الْبَابِ، وَحُجَّةً فِي مَوْرِدِ النِّزَاعِ .

''شیخ احمد جونپوری نے اپنی کتاب نور الانوار میں اس حدیث کے تحت جو قصہ ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ جب ایک صالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو وہ عذاب قبر میں مبتلا ہو گئے۔آپ ﷺ اس کی بیوی کے پاس تشریف لائے اور اس سے صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا۔اس نے عرض کیا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے۔اس موقع پر آپ نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عمومی عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔مجھے یہ واقع نہیں ملا اور اگر یہ ثابت ہو جائے تو اس مسئلے میں فیصلہ کن ہوگا اور موردنزاع میں دلیل کی حیثیت رکھے گا۔''

(معارف السنن از بنوري :276/1)

یہ حالت کر دیتا ہے تعصب کسی انسان کی۔ایک صحابیٔ رسول کے خلاف بے ثبوت الزام کو بے سند اور بے سروپا تسلیم کرتے ہوئے بھی کشمیری صاحب اس بات کے خواہش

مند ہیں کہ یہ ثابت ہو جائے تا کہ ہمارے موقف کی دلیل بن جائے۔اس سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ حنفی حضرات کے پاس حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک قرار دینے کی کوئی بھی صریح دلیل نہیں تھی ، ورنہ وہ اس بے سند و بے اصل روایت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھتے رہتے۔اس بحث سے ہماری تو فقط یہی کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ راہِ حق کی متلاشیوں کو ہدایت عطا فرمائے!

❁ جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب اسی سلسلے میں لکھتے ہیں :

''حضرت گنگوہی نے الكوكب الدري میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ مویشی چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے خاطر خواہ تحرز نہیں کرتے تھے۔حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ میں اہلیہ سے پوچھنے کا یہ قصہ احقر کو کسی کتاب میں نہیں ملا،لیکن حضرت گنگوہی نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ نقل کیا ہے۔اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو زیر بحث مسئلہ میں نص صریح کا درجہ رکھتا ہے۔'' (درس ترمذی از تقی عثمانی :290/1)

❁ جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ فِي أَحَادِيثِ الْمُسْتَدْرَكِ، وَرُبَمَا أَخْرَجَهُ فِي مَصْدَرٍ آخَرَ .

''مجھے مستدرک میں یہ قصہ نہیں ملا۔شاید امام حاکم نے کسی اور کتاب میں اسے بیان کیا ہو۔'' (تعليق إعلاء السنن :440/1)

جناب انوار خورشید صاحب نے نور الانوار کے حوالہ سے نقل کر کے یہ لکھ دیا ہے کہ صاحب نور الانوار نے اسے امام حاکم کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اتنی جراءت نہیں ہوئی کہ تلاش کر کے حوالہ دے دیں۔بھلا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ان کے جناب انور شاہ کشمیری ،جناب یوسف بنوری اور جناب تقی عثمانی جیسے اکابر اتنی ہمت نہیں کر سکے بلکہ اپنی عاجزی

اور بے کسی کا اظہار کرتے رہ گئے ہیں۔

دیوبندی بھائیوں کا ابھی تک اس قصے کو نقل کرنا ایک بات کے خدشے کو قوی ضرور کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جس طرح بریلویوں نے پچھلے دنوں الجزء المفقود من مصنّف عبدالرزاق کے نام سے اپنی طرف سے گھڑ کر حدیثِ نور ''دریافت'' کی ہے، اسی طرح کسی دن دیوبندی حضرات بھی اپنی خفت مٹانے کے لئے مستدرک حاکم کے ساتھ ایسا ہاتھ نہ کر دیں۔ ان کے علماء کو چاہیے تھا کہ ایسی بے سند و بے اصل روایات کو اپنے مذہب کی دلیل بنانے کی بجائے محدثین کرام کی طرح ان کی سختی سے تردید کرتے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین میں تحریفات سے بچائے اور اس کی طرف جانے والے راستوں کو بند کرنے توفیق عطا فرمائے۔

فائدہ : اس من گھڑت قصے میں بھی وَلَا يَتَنَزَّهُ مِنْ بَوْلِهِ کے الفاظ بکریوں کے پیشاب پر صریح نہیں ہیں کیونکہ ضمیر قریبی چیز کی طرف لوٹتی ہے۔ اصولی طور پر اس ضمیر کو خود چرواہے کی طرف لوٹانا چاہیے، یعنی بکریاں چرواتے وقت اسے پیشاب کی حاجت ہوتی تو وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اس لئے بھی کہ غنم جمع ہے۔ اگرچہ اس کی طرف بھی واحد مذکر کی ضمیر لوٹنے کی تھوڑی سی گنجائش ہے لیکن جب اس ضمیر کا مرجع ہمیں واحد مذکر اسی قریب ترین جگہ میں مل رہا ہے تو پھر تکلف میں پڑ کر دُور کی کوڑی لانا اصولاً غلط ہے۔

لو! دیوبندی حضرات نے بڑی مشکل سے ایک من گھڑت واقعہ پیش کر کے اسے صریح اور فیصلہ کن دلیل بنانے کا شوق پورا کرنا چاہا، لیکن وہ بھی ادھورا ہی رہ گیا۔ کیا فائدہ ہوا ان کو ایک جھوٹے قصے کو ایک صحابیٔ رسول اور ایک محدثِ کبیر کی طرف منسوب کرنے کا؟

ع نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

دیوبندی بھائی نہ حدیث کی حیثیت، صحابیٔ رسول کی ناموس اور محدثین کی عزت برقرار

رکھ سکے، نہ اپنا مدعا ثابت کر سکے۔

جلالہ والی حدیث سے تقی عثمانی صاحب کا انوکھا استنباط:

جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب اپنی آخری دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حنفیہ کی تیسری دلیل ترمذی کتاب الأطعمة، باب ما جاء في أكل لحوم الجلّالة وألبانها میں حضرت ابن عمر کی حدیث ہے کہ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا.

نبی اکرم ﷺ نے جلالہ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔

جلالہ اس حیوان کو کہتے ہیں جو بعرہ اور گندگی کھاتا ہو۔گویا بعرہ وغیرہ کا کھانا نہی کا سبب ہے۔اس سے دلالۃ النص کے طور پر ما يؤكل لحمه کے بول، روث اور بعرہ کی نجاست مستفاد ہوتی ہے۔''(درس ترمذی از تقی:291/1)

تبصرہ:

① سب سے پہلے تو ''جلالہ'' کا اصل معنیٰ سمجھنا چاہیے۔جلالہ اس جانور کو کہتے ہیں جو گندگی کھاتا رہے حتی کہ اس گندگی کا اثر اس کے جسم میں سرایت کر جائے اور اس کے گوشت سے اس کی بو آنے لگے۔اگر بو نہ آئے تو وہ جانور ''جلالہ'' نہیں کہلائے گا، بلکہ اس گندگی کا استحالہ ہو جاتا ہے۔علامہ نووی رحمہ اللہ (م:646ھ) جو کہ مشہور لغوی امام ہیں، لکھتے ہیں:

وَالْجَلَّالَةُ: هِيَ الَّتِي تَأْكُلُ الْعُذْرَةَ وَالنَّجَاسَاتِ، وَسَوَاءً كَانَتْ مِنَ الْإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ أَوِ الْغَنَمِ أَوِ الدَّجَاجِ، ثُمَّ قِيلَ: إِنْ كَانَ أَكْثَرُ عَلَفِهَا النَّجَاسَةَ، فَهِيَ جَلَّالَةٌ، وَإِنْ كَانَ الطَّاهِرُ أَكْثَرَ فَلَا، وَالصَّحِيحُ: أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِالْكَثْرَةِ، بَلْ بِالرَّائِحَةِ وَالنَّتْنِ، فَإِنْ وُجِدَ فِي عَرَقِهَا وَغَيْرِهِ رِيحُ النَّجَاسَةِ، فَجَلَّالَةٌ،

وَإِلَّا فَلَا . ''جلالہ وہ جانور ہے جو گندگی اور نجاست کھاتا ہے۔خواہ وہ اونٹ ہو، گائے ہو، بکری ہو یا مرغی۔پھر کہا گیا ہے کہ اگر اس کی اکثر خوراک نجاست ہو تو وہ جلالہ ہے، اور اگر اس کی اکثر خوراک پاک ہو تو وہ جلالہ نہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کثرت کا نہیں بلکہ بدبو اور تعفن کا اعتبار کیا جائے گا۔اگر اس کی رگوں وغیرہ میں نجاست کی بدبو پائی جائے تو وہ جلالہ ہے، ورنہ نہیں۔''(روضة الطالبين وعمدة المفتين : 278/3)

یعنی جو جانور نجاست کھائے اور نجاست کی بو اس کے گوشت وغیرہ سے آئے، وہ جلالہ ہے جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔اگر حلال جانوروں کی بعرہ (مینگنیوں) کے کھانے سے جانور جلالہ بنتے ہیں تو کوئی دیوبندی بھائی ہی بتائے کہ اس نے کس حلال جانور، یعنی بھیڑ، بکری، گائے ، اونٹ وغیرہ کو کس حلال جانور کی مینگنیاں کھاتے دیکھا ہے؟ اگر اس کی کوئی مثال ہی آپ پیش نہیں کر سکتے اور فطرتی طور پر ایسا ہوتا ہی نہیں تو اسے دلیل کے طور پر پیش کر کے حلال جانوروں کی مینگنیوں کو نجس کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

② حدیث میں جو اصل بات بیان کی گئی تھی ،یعنی عبارۃ النص سے جو بات سمجھ میں آ رہی تھی ، اس پر تو عثمانی صاحب نے عمل کی کوشش نہیں کی۔خود ان کا کہنا ہے کہ جو جانور نجاست کھاتا ہے، وہ جلالہ ہے اور اسے کھانا منع آیا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسی چیز کھا لینے سے آپ کے نزدیک جانور جلالہ بنتا ہے جس کو نہ رسول اللہ ﷺ نے نجس کہا، نہ کسی صحابی نے، نہ جمہور اسلافِ امت نے ،تو بھیڑیں جو اکثر ایسی گندگی کھاتی رہتی ہیں جو سارے مسلمانوں کے ہاں بالاتفاق نجس ہے ،ان کو تو کھانا بالاولیٰ منع ہونا چاہیے لیکن پھر بھی ہمارے دیوبندی بھائی بڑے شوق سے ان کا گوشت کھا لیتے ہیں۔انہیں کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا کہ اس نے تو نجس العین چیز کھا لی ہے لیکن حلال جانوروں کی مینگنیاں جو حلال جانور کھاتے ہی نہیں، انہیں دلیل بنا کر اپنا مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے!!!

③ بعرہ میں حلال اور حرام سب جانوروں کی لید وغیرہ شامل ہے۔ حلال جانوروں کی گوبر وغیرہ کا نجس نہ ہونا ہم رسولِ اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے ثابت کر چکے ہیں، لہٰذا جلالہ صرف حرام جانوروں کی لید کھانے سے بنتا ہے۔

ایک اور انوکھی دلیل:

جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی صاحب اپنے دلائل میں لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا مَا أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي بَابِ الصَّلَاةِ فِي النَّعْلِ ـ وَاللَّفْظُ لَهُ ـ وَغَيْرُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ مَرْفُوعًا: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ، فَإِنْ رَأٰى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ، وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا»، فَالْقَذَرُ وَ الْأَذٰى عَامٌّ، وَقَصْرُهُ عَلٰى رَجِيعِ الْإِنْسَانِ أَوْ عُذْرَةِ غَيْرِ مَأْكُولِ اللَّحْمِ مُسْتَبْعِدٌ، بَلْ هُوَ تَعَسُّفٌ وَّتَكَلُّفٌ.

''ہماری ایک دلیل وہ روایت ہے جو ابو داوٗد باب الصلاۃ فی النعل میں موجود ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان روایت کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لے، اگر اس کے جوتوں میں گندگی یا نجاست لگی ہو تو اسے زمین پر رگڑ لے اور جوتوں میں ہی نماز پڑھ لے۔ یہاں گندگی اور نجاست کے لفظ عام ہیں، ان کو صرف انسان کے پاخانہ یا غیر ماکول اللحم جانوروں کے گوبر پر منطبق کرنا مشکل ہے، بلکہ محض دھاندلی اور تکلف ہے۔'' (معارف السنن: 275/1)

تبصرہ: ① یہ وہی بات ہے جو ہم بار بار سمجھاتے آ رہے ہیں کہ یہاں عموم کی تخصیص ہو چکی ہے۔ صحیح وصریح احادیث، اقوال تابعین اور فہم محدثین کے ذریعے وضاحت ہو جانے کے بعد بھی عموم کی رٹ لگانا کوئی عقلمندی نہیں۔ ہمارا سوال ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے بکریوں کے باڑے میں نماز کیوں پڑھی؟بعض لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت مسجد نہیں بنی تھی۔ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کا پیشاب اور مینگنیاں نجس تھیں تو ان کا باڑہ بھی نجس تھا۔اگر مسجد نہیں تھی تو پورے علاقے میں بکریوں کے باڑے کے علاوہ بھی تو جگہ موجود تھی۔باقی ساری زمین چھوڑ کر آپ ﷺ نے وہاں ہی نماز پڑھی اور ثابت کیا کہ حلال جانوروں کا پیشاب اور ان کی مینگنیاں نجس نہیں۔

④ یہاں عموم سے مراد وہ عموم ہے جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے نزدیک عموم تھا۔مقلدین کا مزعومہ عموم چنداں قابل اعتبار نہیں۔صحابہ کرام ، نبی اکرم ﷺ کی تصریحات کے ذریعے جان چکے تھے کہ حلال جانوروں کا بول و روث طاہر ہے،لہٰذا قذر اور اذی کو عام بھی رکھا جائے تو حلال جانوروں کا بول و روث اس میں داخل نہ ہوگا کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق وہ قذر اور اذی ہے ہی نہیں۔کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ اصولی طور پر بھی ہر چیز پاک ہے جب تک اس کی نجاست پر صحیح وصریح دلائل سامنے نہ آ جائیں۔محض احتمالات سے کسی چیز کو ناپاک اور نجس قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے!

بعض لوگ ماکول اللحم جانوروں کے گوبر کی نجاست پر اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَائِطَ، فَأَمَرَنِي أَنْ اٰتِيَهٗ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُّ حَجَرَيْنِ وَلَمْ أَجِدْ ثَالِثًا، فَأَتَيْتُهٗ بِرَوْثَةٍ، فَأَخَذَهُمَا وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ : «إِنَّهَا رِكْسٌ»

’’سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ قضائے حاجت کے لئے نکلے اور مجھے حکم دیا کہ میں تین ڈھیلے لاؤں۔مجھے دو ڈھیلے ملے،تیسرا نہ مل سکا۔میں تیسرے کی جگہ لید لے آیا۔آپ ﷺ نے دونوں ڈھیلے لے لئے لیکن لید کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس

ہے۔'' (صحيح بخاری : 156)

مسند احمد (55/1) میں یہ الفاظ بھی ہیں: اِئْتِنِي بِغَيْرِهَا . ''اس کی جگہ مجھے اور ڈھیلا لا کر دو۔''

اس سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے گوبر یا لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ نجس ہے۔ یہاں بھی لید عام ہے، کسی بھی جانور کے گوبر کو لید کہا جا سکتا ہے، لہٰذا عموم میں حلال جانوروں کا گوبر بھی شامل ہوا اور وہ بھی نجس ہوا۔

تبصرہ:

① اسی حدیث کو اگر حنفی بھائی صحیح ابن خزیمہ سے دیکھ لیتے یا ان کے علم میں وہ روایت بھی آ جاتی تو انہیں یہ دلیل پیش کرنے کی نوبت نہ آتی۔ صحیح ابن خزیمہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّتَبَرَّزَ، فَقَالَ: «ائْتِنِي بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ»، فَوَجَدْتُّ لَهٗ حَجَرَيْنِ وَرَوْثَةَ حِمَارٍ، فَأَمْسَكَ الْحَجَرَيْنِ وَطَرَحَ الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: «هِيَ رِجْسٌ»

''سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قضائے حاجت کا ارادہ کیا اور فرمایا: مجھے تین ڈھیلے لا دو۔ مجھے آپ ﷺ کے لیے دو ڈھیلے اور ایک گدھے کی لید ملی۔ آپ ﷺ نے دونوں ڈھیلوں کو لے لیا جبکہ گدھے کی لید کو پھینک دیا اور فرمایا: یہ نجس ہے۔'' (صحيح ابن خزيمة : 39/1، ح : 70)

حدیث سے ہی ثابت ہو گیا کہ یہ لید گدھے کی تھی، اور گدھے کی ہی لید کو آپ ﷺ نے پلید اور نجس فرمایا۔ اسے ہم اہل حدیث بھی نجس ہی کہتے ہیں۔ بھلا اس سے حلال جانوروں کے پیشاب اور لید کو نجس کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ اس کے پاک ہونے پر احادیثِ نبویہ میں واضح ذکر موجود ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ گدھا چونکہ حرام ہے، لہٰذا اس کا پیشاب اور اس کی لید ناپاک ہے۔اسی طرح اہل حدیث اس کے دودھ کو بھی ناپاک ہی سمجھتے ہیں لیکن حنفی بھائی گدھی کے دودھ کو پاک سمجھتے ہیں۔(الجوهرة النيرة على القدوري :20/1، علم الفقه از عبد الشكور لكهنوى حنفى ديوبندى، ص : 60)

ایک عام دلیل :

حافظ ابن حزم صحیح بخاری کی ایک روایت سے دلیل لیتے ہوئے لکھتے ہیں :

فَإِنْ وَجَدْنَا نَصًّا فِي تَحْرِيمِ كُلِّ ذٰلِكَ وَوُجُوبِ اجْتِنَابِهِ، فَالْقَوْلُ بِذٰلِكَ وَاجِبٌ، فَنَظَرْنَا فِي ذٰلِكَ، فَوَجَدْنَا .... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : «يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ»، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

''اگر ہم ہر قسم کے پیشاب کی حرمت اور اس سے بچنے کے وجوب کی دلیل ہمیں مل جائے تو اسی سے مطابق عمل واجب ہو جائے گا، لہٰذا ہم نے غور کیا تو یہ حدیث ملی : سیدنا ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی آواز سنی۔ان کو عذاب قبر ہو رہا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کو ظاہری طور پر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، لیکن حقیقت میں وہ گناہ بڑا ہے۔ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔'' (المحلى لابن حزم :177/1)

تبصرہ :

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے دلیل تو ایسے عموم کے لئے دی ہے جس میں حلال جانور بھی

شامل ہوں لیکن یہ حدیث تو خاص ہے انسانی بول کے لئے، کیونکہ صحیح بخاری ہی میں اس کی وضاحت مِنْ بَوْلِہٖ سے آ چکی ہے(صحیح البخاري : 216، 218، 1378، 6052)،یعنی وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا،لہٰذا اس سے حلال جانوروں کے پیشاب کے نجس ہونے کا استدلال بالکل باطل ہے۔

امام بخاری اس حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں :

مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ لَّا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهٖ .

''آدمی کا اپنے پیشاب سے نہ بچنا کبیرہ گناہ ہے۔''(صحیح البخاري : 216)

اسلافِ امت اور حلال جانوروں کا پیشاب!

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا جُمْلَةٌ مِّنَ السَّلَفِ .

''بہت سے سلف کا یہی مذہب تھا۔''(المحلّٰی بالآثار : 179/1)

پھر انہوں نے اس حوالے سے کچھ آثار ذکر کئے گئے ہیں، ان کا تجزیہ حسب ذیل ہے :

امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول!

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر پیشاب کو دھویا جائے گا۔(المحلی : 179/1)

تبصرہ : حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سند میں یونس بن عبید راوی ''مدلس'' ہے، جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ(212/1، ح : 1244) میں بھی یہ اثر موجود ہے، لیکن اس کی سند میں ہشام بن حسان راوی کی ''تدلیس'' موجود ہے، لہٰذا امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ہر پیشاب کو دھونے کا حکم دینا ثابت نہیں ہوا۔

امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول!

امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

اَلرَّشُّ بِالرَّشِّ، وَالصَّبُّ بِالصَّبِّ مِنَ الْأَبْوَالِ كُلِّهَا .

''پیشاب کے چھینٹوں کے بدلے پانی کے چھینٹے اور بہاؤ کے بدلے پانی کا بہاؤ ہے، ہر پیشاب کی وجہ سے۔'' (المحلّٰی :179/1)

تبصرہ : ① اس کی پوری سند درج نہیں۔

② جو سند مذکور ہے، اس میں قتادہ راوی ''مدلس'' ہیں ، لہٰذا یہ اثر بھی ''ضعیف'' ہوا اور امام سعید بن مسیّب سے بھی یہ موقف ثابت نہیں ہوا۔

دلیل نمبر ⑮

ابومجلز تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اپنی اونٹنی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اِغْسِلْ مَا أَصَابَكَ مِنْهُ . ''جو پیشاب تمہیں لگے اسے دھولو۔'' (المحلّٰی :179/1، ابن أبي شيبة :212/1 ، ح : 1244، وسندهٗ صحيحٌ)

تبصرہ : حلال جانوروں کے پیشاب کو اگر دھولیا جائے تو بہت بہتر ہے، جیسے کسی کپڑے پر تھوک یا ناک کا فضلہ وغیرہ لگا ہو تو اسے دھو لینا بہتر ہوتا ہے۔ اسے دھونے کا حکم دینے سے اس کی نجاست ثابت نہیں ہوتی۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول!

ابوموسی اسرائیل کہتے ہیں کہ میں محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ کے ساتھ تھا۔ ان پر چمگادڑ کا پیشاب گر گیا، انہوں نے اس پر پانی کے چھینٹے مارے اور فرمایا: میں پہلے ان چھینٹوں کو ضروری نہیں سمجھتا تھا، حتی کہ مجھے سات صحابہ سے یہ بات پہنچی۔ (المحلی :179/1-180)

تبصرہ ① اس کی پوری سند درج نہیں

② جو سند مذکور ہے، اس میں سفیان بن عیینہ کی ''تدلیس'' موجود ہے، لہٰذا یہ

روایت ''ضعیف'' ہے۔

③ چمگادڑ بھلا حلال جانور ہے؟

حماد بن ابی سلیمان کا فتویٰ:

امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان سے بکری کے پیشاب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اسے دھولو۔

(المحلّٰی :180/1 ، ابن أبي شيبة : 1239)

تبصرہ: دھونے کے حکم سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔انسان کے ناک کا فضلہ بھی اگر کپڑوں پر لگا ہو تو ہر نفیس الطبع شخص اسے دھونے کا حکم دے گا۔کیا اس حکم سے یہ ثابت ہوگا اس کے نزدیک ناک کا فضلہ نجس ہے؟

امام زہری رحمہ اللہ کا فتویٰ!

معمر کہتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ چرواہے کو اگر اونٹوں کا پیشاب لگ جائے تو؟ فرمایا: پانی کے چھینٹے مارے۔

تبصرہ: اس کی پوری سند درکار ہے، منقطع روایت سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔

نافع اور ابن قاسم کا قول!

یعلی بن حکیم کہتے ہیں کہ نافع اور عبدالرحمٰن بن قاسم دونوں نے فرمایا کہ جو چوپاؤں کا پیشاب لگے،اسے دھوؤ۔ (ابن ابی شیبہ :212/1، ح : 124)

تبصرہ: اس کی سند سعید بن ابی عروبہ کی تدلیس کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

میمون بن مہران کا قول!

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ انسان اور چوپائیوں کے پیشاب برابر ہیں۔

(ابن أبي شيبة :212/1 ، ح : 1250)

تبصرہ : اس کی سند کے ایک راوی عیسیٰ بن کثیر کے حالات نہیں مل سکے۔اس کی صحت کے مدعی پر اس راوی کی توثیق ثابت کرنا ضروری ہے۔

تبصرہ در تبصرہ

جناب انوار خورشید صاحب اپنے مزعومہ دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

''مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ پیشاب ناپاک ہے، انسان کا پیشاب ہو یا حیوان کا، حلال جانوروں کا ہو یا حرام کا۔'' (حدیث اور اهلحدیث، ص : 169)

تبصرہ : قارئین ! آپ انوار صاحب کی پیش کردہ احادیث اور ان کا تجزیہ پڑھ چکے ہیں۔ان کی پیش کردہ اکثر روایات ''ضعیف'' یا بے سند و بے اصل ہیں۔ جو روایت صحیح ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حلال جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہم نے صحیح وصریح مرفوع احادیث، اقوال سلف اور فہم محدثین سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔اس کے برعکس حنفی بھائی کسی ایک صحابی، تابعی سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ اس نے کسی حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست اخذ کی ہو۔

انوار صاحب مزید لکھتے ہیں : ''حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور نہ بچنے پر وعید ذکر کی ہے، اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ پیشاب ناپاک ہے اس کے لگنے سے بدن ناپاک ہو گا اور جب بدن ناپاک ہو گا اور بے خیالی میں کوئی پیشاب لگے ہوئے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہو گی۔'' (حدیث اور اهلحدیث، ص : 169)

تبصرہ : ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ کی پیشاب سے بچنے والی وعید کس پیشاب کے بارے میں ہے۔ صحیح بخاری ہی میں عذاب قبر کے قصے سے بالکل واضح ہو گیا

ہے کہ آپ کی عذاب قبر کی وعید انسانی پیشاب کے بارے ہے نہ کہ حلال جانوروں کے بارے میں۔

رہی یہ بات کہ پیشاب کے لگنے سے نماز نہیں ہوتی تو کسی دیوبندی وحنفی بھائی کو یہ کہنا کیسے زیب دے سکتا ہے۔معذرت کے ساتھ کہ ہمیں یہ مقولہ یاد آ گیا ہے:

چھاج تو بولے، چھلنی بھی بولتی ہے، جس میں خود سو سوراخ ہیں۔

خود ان حنفی بھائیوں کی ''مبارک'' فقہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ایک درہم کے برابر کوئی بھی نجاستِ مغلظہ جیسے انسانی پاخانہ وغیرہ بھی کپڑے پر ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔

(الهداية للمرغيناني :37/1، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

نیز اسی ''ہدایہ شریف'' میں لکھا ہے: ''اگر حلال جانوروں کا پیشاب کپڑے کو اتنا لگا ہو کہ چوتھے حصے کو نہ پہنچے تو اس کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے۔''(أيضًا)

اسے کہتے ہیں: ''ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور!''

یہی وجہ ہے کہ حلال جانوروں کے پیشاب کی نجاست میں احناف کے ہم نوا ہونے کے باوجود اس بھدی تقسیم کا حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کو بھی گلہ ہے۔ وہ ان کی اس تضاد بیانی کا پوسٹ مارٹم یوں کرتے ہیں: ''امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ تمام پیشاب نجس ہیں، خواہ حلال جانوروں کے ہوں یا حرام کے۔ہاں کچھ غلاظت میں زیادہ ہیں اور کچھ کم۔ تمام حلال جانوروں، مثلاً گھوڑا، بکری، اونٹ، گائے وغیرہ کا پیشاب کپڑے کو ناپاک نہیں کرتا، نہ اس کی وجہ سے نماز دہرائی جائے گی، الا یہ کہ بہت زیادہ لگ جائے تو پھر کپڑا نجس ہو گا اور نماز دہرائی جائے گی۔ مشہور بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بہت زیادہ کی حد بیان نہیں کی۔ امام ابو یوسف نے اس کی تحدید کی ہے اور وہ یہ ہے کہ بالشت در بالشت۔امام صاحب کہتے ہیں کہ اگر بکری کنویں میں پیشاب کر دے تو پانی نجس ہو جائے گا اور سارا پانی نکالا جائے گا۔احناف کا کہنا ہے کہ انسان اورحرام جانوروں کے پیشاب سے بھی نماز دہرائی نہیں

جائے گی اور کپڑا نجس نہیں ہو گا الا یہ کہ وہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ ہو۔ ایسی صورت میں کپڑا نجس ہو جائے گا اور نماز دہرائی جائے گی۔ اگر درہم یا اس سے کم مقدار میں انسانی پیشاب اور حرام جانوروں کا پیشاب لگا ہو تو نہ کپڑا نجس ہو گا ، نہ نماز دہرانے کی ضرورت ہے۔ یہ سب ضابطے ، مذکورہ بھی اور آئندہ آنے والے بھی ، جان بوجھ کر کرنے اور بھول کر کرنے ، دونوں صورتوں میں برابر ہیں۔ گوبر حلال اور حرام جانوروں دونوں کا برابر ہے، خواہ گھوڑے کا ہو، گائے کا ہو یا گدھے وغیرہ کا۔ اگر یہ گوبر کپڑے ، موزے ، جوتے یا جسم کو ایک درہم سے زیادہ لگ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس کو دوہرانا ضروری ہو گا ، لیکن اگر ایک درہم یا اس سے کم ہو تو کچھ نقصان نہ دے گی۔ اگر کنویں میں ایک دو مینگنیاں اونٹ یا بکریوں کی گر جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر مذکورہ گوبر موزے یا جوتے میں ایک درہم سے زیادہ ہو اور وہ خشک ہو تو اسے کھرچنا کافی ہے۔ اگر تر ہو تو دھونا ہی کفایت کرے گا۔ اگر گوبر کی جگہ پیشاب ہو تو دھونا ضروری ہے ، خواہ تر ہو یا خشک۔ اگر اس حال میں نماز پڑھی کہ کپڑے پر حلال یا حرام پرندے کی بیٹ ایک درہم سے زیادہ لگی ہو تو کچھ نقصان نہیں، نہ نماز دہرانے کی ضرورت ہے۔ ہاں ، اگر بہت زیادہ یعنی چار بالشت ہو تو نماز دہرائی جائے گی ، الا یہ کہ مرغی کی بیٹ ہو۔ اگر اس حال میں نماز پڑھی کہ ایک درہم سے زیادہ مرغی کی بیٹ کپڑے پر لگی تھی تو نماز ضرور دہرائی جائے گی۔ اگر پانی میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو کوئی مسئلہ نہیں۔ زفر کہتے ہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ رہا حرام جانوروں کا بول اور لید اور حلال جانوروں کی لید تو یہ سب ناپاک ہیں۔'' (المحلّٰی : 170,169/1)

نیز لکھتے ہیں: أَمَّا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ فَفِي غَايَةِ التَّخْلِيطِ وَالتَّنَاقُضِ وَالْفَسَادِ، لَا تَعَلُّقَ لَهُ بِسُنَّةٍ، لَا صَحِيحَةٍ وَلَا سَقِيمَةٍ، وَلَا بِقُرْآنٍ وَلَا بِقِيَاسٍ وَلَا بِدَلِيلِ إِجْمَاعٍ وَلَا بِقَوْلِ صَاحِبٍ وَلَا بِرَأْيٍ سَدِيدٍ، وَمَا نَعْلَمُ أَحَدًا قَسَّمَ

النَّجَاسَاتِ قَبْلَ أَبِي حَنِيفَةَ هٰذَا التَّقْسِيمَ، بَلْ نَقْطَعُ عَلٰى أَنَّهٗ لَمْ يَقُلْ بِهٰذَا التَّرْتِيبِ فِيهَا أَحَدٌ قَبْلَهٗ، فَوَجَبَ إِطْرَاحُ هٰذَا الْقَوْلِ بِيَقِينٍ.

''جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، وہ انتہا درجے کا فضول، متناقض اور فاسد ہے۔اس کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں، نہ صحیح حدیث سے اور نہ ضعیف حدیث سے، نہ قرآن سے تعلق ہے، نہ قیاس سے، نہ اجماعی دلیل سے، نہ قول صحابی سے اور نہ درست رائے سے۔ ہم نہیں جانتے کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے کسی نے نجاست کو اس طرح تقسیم کیا ہو، بلکہ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ نجاست کے بارے میں یہ ترتیب ان سے پہلے کسی نے نہیں لگائی۔ لہٰذا اس مذہب کو چھوڑنا یقینی طور پر ضروری ہے۔''(المحلی لابن حزم: 170/1)

اب انوار صاحب کی بات کریں نماز ہونے یا نہ ہونے کی۔بکریوں،اونٹوں اور دوسرے حلال جانوروں کا پیشاب و لید تو دور کی بات فقہ حنفی میں تو انسانی پیشاب و پاخانہ بھی ایک درہم کے مقدار لگا ہو تو جانتے بوجھتے انسان نماز ادا کر سکتا ہے اور دہرانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔حلال جانوروں کا پیشاب جس کی نجاست پر اتنا زور لگاتے ہیں اور عذاب قبر تک کی وعید اس پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں،اس میں تو اور بھی رخصت ہے کہ چار بالشت تک لگا ہو تو کوئی بات نہیں، نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

قارئین کرام ہی بتائیں کہ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

ہم جو حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک کہتے ہیں،کبھی بالشت پیشاب کے ساتھ بھی نماز نہیں پڑھتے،لیکن یہ نجس کہنے کے باوجود اپنے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ چار بالشت تک خیر ہے۔یہ ہے تقلید کا سب سے بڑا نقصان کہ بات بات پر تناقض آتا ہے۔

آئندہ شمارے میں ''فقہ حنفی اور نجاسات'' کے عنوان سے اختتامی قسط لکھی جائے گی۔

إن شاء الله!